# عربی حروف کیلئے "نقطے" کب ایجاد ہوئے

## تاریخ، لغت اور اشعار جاہلیت کا انکشاف

——— محترم رحمت اللہ طارق ۔ دارالحدیث مکۃ المکرمہ

ریسرچ اور تحقیق کے میدان میں شاذ و نادر ہی کوئی گروہ ایسا ہوگا جو تبلیغی مقاصد بھی رکھتا ہو اور مخالف پر تنقید کرتے وقت حق و انصاف کا دامن بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا ہو۔ اس کلیہ کی صداقت اس وقت اور بھی نکھر کر ہمارے سامنے آجاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ مستشرقین یورپ نے اپنے تبلیغی مقاصد کے پیش نظر اسلام پر جتنا کچھ مواد فراہم کیا ہے اس میں اسی فی صد اسلام اور پیغمبر اسلام، بالخصوص قرآن مجید پر طعن و تشنیع ہی کا مواد ملے گا کیونکہ شروع ہی سے ان کا مطمح نظر یہی رہا ہے اور اپنی تحقیقات کا محور اسی کو گردانا ہے کہ جس دار سے بھی قرآن لاریب فیہ کی پوزیشن مشکوک و مشتبہ ہو سکتی ہے اسے مختلف انداز سے استعمال کیا جائے۔ چنانچہ عربی ہجاء کے اٹھائیس حروف میں سے بائیس کے قریب متشابہ حروف ہیں یعنی اگر نقطے اڑا دیئے جائیں تو ان میں امتیاز کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ اب اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جب عربی خط اپنے ابتدائی ادوار میں "بے نقط" تھا تو ان متشابہ حروف میں امتیاز کرنے کی کیا صورت ہو سکتی تھی؟ چنانچہ اس مزعومہ عقیدے کی بنا پر انہوں نے یہ اعتراض کھڑا کر دیا کہ "قرن اوّل میں جب نقطوں کا رواج نہیں تھا یا اہل عرب اس سے آشنا ہی نہیں تھے تو قرآن کے سینکڑوں الفاظ جو قاری اپنی صوابدید کے مطابق پڑھا کرتے تھے وہ یا تو صحیح مانے جائیں یا سب کے سب غلط۔ صحیح ماننے کی صورت میں "تواتر" کا سوال ختم ہو جاتا ہے اور غلط ماننے کے بعد صحت کا معیار باقی نہیں رہتا۔ مقصد یہ کہ قرآن مجید کی عصمت، حفاظت اور عظمت کا جو سکہ بیٹھ گیا ہے اسے کسی طرح نقصان پہنچایا جائے لیکن ——— "پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا"۔ فلسفۂ ابن رشد صدیوں سے یورپ کے رگ و پے میں

ہدایت کر چکا تھا اس کا اثر زائل کرنے کے لئے قرآن سے یوں بددیانتی، خفت، سبکی اور جہالت کی بدترین مثال ہے۔ تاہم اتنا کہہ کر ہم بھی سستی گلو خلاصی کے قائل نہیں ہیں۔ اگر اعتراض معقول ہے اور اپنے اندر وزن رکھتا ہے تو خالی عقیدت سے ہٹ کر علمی بنیادوں پر گفتگو کرنی چاہئے، پھر بارے غنیمت ہے کہ غیر مسلم مشنریوں نے جاہلی لٹریچر کے وجود سے نہ تو انکار کیا ہے اور نہ ہی جاہلی شواہد سے استدلال کو رد کیا ہے

کچھ عرصہ ہوا راقم الحروف نے لاہور کے ایک مشہور ہفت روزہ میں قرآن سے متعلق بعض مضامین تحریر کئے تھے جو الحمد للہ اپنے موضوع میں کامیاب رہے (خطوط سے یہی اندازہ ہوتا ہے) ان میں سے ایک کا ذیلی عنوان تھا "نقاط القرآن" اور تمام مضامین میں یہی حصہ زیادہ وضاحت طلب تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ متعلقہ مواد نہ ملنے کی وجہ سے یہی حصہ تشنہ رہ گیا۔
چنانچہ اس دن سے تادمِ تحریر مسلسل ایسے مواد کی تلاش رہی جو تصویر کے دوسرے رُخ کو پوری وضاحت سے پیش کر سکے آج الحمد للہ اس سلسلہ میں فکر و نظر کی کتنی وادیاں طے کرنے اور تحقیق و جستجو کے کتنے راستوں پر آبلہ پائی کرنے کے بعد ان کا ماحصل متلاشیانِ حق و صداقت کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو گیا ہوں مضمون کی ترتیب اور میلیوں کتابوں کی فراہمی اور حرم مکی کی وسیع و عریض لائبریری سے استفادہ۔ پھر اخذ و استنباط کے لئے شواہد اور جاہلی لٹریچر سے متعلق دواوین کی تلاش اور پھر مقصد کے تعین میں جتنی محنت صرف ہوئی اس کا بدلہ یہی چاہتا ہوں کہ جن کے دل میں اسلام، قرآن اور سنت کی قدر اور محبت ہے وہ اسے کسی سوءِ ظن پر محمول نہ کرتے ہوئے پورے شغف اور انہماک سے پڑھیں یہ ایک طالب علمانہ پیش کش ہے اور پھر اُردو میں اپنی نوعیت کا یقیناً پہلا مقالہ ہے جس میں غلطی کا امکان ہو سکتا ہے آپ اسے غور سے پڑھئے ممکن ہے آپ غلطیوں کی اصلاح میں معاون و مددگار ثابت ہو سکیں۔ وباللہ التوفیق۔

**نوٹ:-** یہ قطعاً غیر مذہبی اور غیر سیاسی مقالہ ہے آپ صرف علمی نقطۂ نظر سے تعاون فرمائیں۔

## اُمّیت کا مفہوم

یہاں ضمناً اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ اصل مضمون یعنی "عربی خط میں نقطوں کا رواج" سے پہلے اُمّیت کا مفہوم اور عربی خط کی ابتداء پر دو ذیلی اور تعارفی نوٹ دیئے جاتے ہیں تاکہ آگے چل کر "مضمون کا اصل حصہ آپ کی دلچسپی کا باعث بن سکے" وھو ہذا

عام طور پر ہمارے ہاں امیت (ان پڑھ ہونے) کو فضائل نبوت میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس سے بحث نہیں لیکن اس سے یہ اخذ کرنا کہ تمام عرب بھی ان پڑھ تھے تو انکی صحت مشتبہ اور صداقت غیر یقینی ہے امام ابن فارس ابو الحسین۔ احمد بن فارس بن زکریا (متوفی ۳۹۵ھ ۱۰۰۴م) نے اس نظریہ کی شدید مخالفت کرتے ہوئے "الصاحبی" میں سینکڑوں صحابہ اور مشرکین کے نام گنوائے ہیں جو پڑھے لکھے اور مختلف علوم و فنون میں اچھی دسترس رکھنے والے تھے اور بعد میں لکھا ہے کہ وما العرب فی قدیم الزمان الا کنحن الیوم فما کل یعرف الکتاب والخط والقراءة یعنی قدیم زمانے کے عرب ہماری ہی طرح تھے جس طرح ہم میں سے ہر

شخص لکھا پڑھا نہیں ہوتا اسی طرح ان میں بھی سب کے سب نہ تو اَن پڑھ تھے اور نہ ہی پڑھے لکھے (الصاحبی ج ۸ ص ۱۱ طبع مصر ۱۹۱۰ء)

بعض لوگ اور خاص کر مستشرقین جب یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن نے جاہل طبقہ کو للکارا اور انہیں ہی ہر میدان میں دعوتِ مقابلہ دیتا رہا ورنہ اگر کسی مہذب یا تعلیم یافتہ سوسائٹی کو مخاطب کرتا تو یقیناً اس کی اعجازی طاقت کا پول کھل جاتا۔ تو وہ اپنی تائید میں قرآن حکیم کی ان آیات (آل عمران ۲۰ و ۷۵ - جمعہ ۲) سے بھی استدلال کرتے ہیں یعنی ان میں "امیین" کا لفظ مذکور ہوا ہے جس سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ اَن پڑھ ہی تھے وغیرہ —
لیکن ہماری رائے میں یہاں امیت سے مراد کتابی امیت ہے علمی امیت نہیں یعنی قرآن سے پہلے ان کے پاس ایسی دینی کتاب نہیں تھی جس طرح کہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے پاس تورات و انجیل تھے۔ علامہ حسنین محمد مخلوف کلمات القرآن میں امیین کے ذیل میں ایک جگہ لکھتے ہیں "مشرکی العرب" یعنی عرب کے مشرک (ص ۴۳) دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں "العرب المعاصرین لہ (ص)" یعنی وہ عرب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصر تھے (ص ۳۲۶)
پھر یہ نہ صرف ہماری یا شیخ مخلوف کی اپنی رائے ہے بلکہ قرآن حمید کی ذیل کی آیت سے بھی یہی کچھ مستفاد ہوتا ہے۔

ومنهم اميون لا يعلمون الكتاب الا اماني وان هم الا يظنون فويل للذين يكتبون الكتاب بايديهم ثم يقولون هذا من عند الله ليشتروا به ثمنا قليلا فويل لهم مما كتبت ايديهم وويل لهم مما يكسبون (البقرہ ۷۸ تا ۷۹) حاصل ترجمہ یہ کہ ان میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو امی یعنی علم کتاب سے ناآشنا تھا۔ ہاں جھوٹ موٹ کا تو انہیں علم تھا (لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ صرف) ان کا اپنا ظن و قیاس تھا پس جو لوگ جانب منفعت کے لئے اپنے ہاتھوں کی تحریر کو کتاب اللہ کہہ کر لوگوں کو سستے داموں بیچتے ہیں ان کے حال پہ نہایت افسوس ہے (بلکہ) ان کا یہ عمل اور جو کچھ انہوں نے اس (عمل) کے ذریعہ کمایا سب سامان ہلاکت کی تمہید ہے۔

اب یہاں اگر کتابی امیت مقصود نہ ہوتی تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے لکھنے کی خبر کیونکر دیتا؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کا انکار کر رہے تھے اور دین ہی سے جہالت کے بعد ان کا اُلو سیدھا ہو سکتا تھا —— وہ نفس تعلیم سے آشنا تھے مگر صاحب کتاب نہیں تھے یعنی کتابی امی تھے۔ مفسر ابن جریر طبری (۹۲۳ء) اپنی اسناد سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ (متوفی ۶۸ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ الاميون قوم لم يصدقوا رسولا ارسله الله ولا كتابا انزله الله فكتبوا كتابا بايديهم ثم قالوا لقوم سفلة جهال هذا من عند الله وقال قد اخبر انهم يكتبون بايديهم ثم سماهم

امیین یجحود ھم کتاب اللہ و رسولہ یعنی امیوں سے وہ قوم مراد ہے جس نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی اور نہ ہی کسی کتاب الٰہی پر ایمان لے آئی (اس کے باوجود) اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر نچلے درجے کے جاہلوں سے کہتے تھے کہ یہ کتاب الٰہی ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ نے مزید کہا کہ) اللہ تبارک نے خبر دی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے پھر بھی انہیں امّی کہا (یعنی ان پڑھ) یہ اس لئے کہ وہ دراصل حقیقی ان پڑھ نہیں تھے۔ کتاب اللہ اور رسول اللہ کے انکاری تھے (تفسیر طبری شائع کردہ محمود محمد شاکر جلد دوم ص۲۵۵ و ص۲۵۹۔ نیز الامیۃ فی الشعر الجاہلی ڈاکٹر احمد محمد حوفی طبع مصر ص۳۳۳ و ص۳۳۴)۔ ان آیات الٰہی کے علاوہ بعض لوگ "امیت" کے ثبوت میں ارشاداتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سہارا بھی لیتے ہیں یعنی ان کا کہنا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے سے نہ صرف منع فرمایا بلکہ لکھے ہوئے کو محو کرا دیا۔ لہ لیکن ایسے حضرات کی خدمت میں التماس ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے اتنے سوءظن کی کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کے کسی بھی ارشاد کو ایسے غلط مفہوم پر محمول کرنا نہ صرف خوفِ خدا سے بعید ہے بلکہ علمی دیانت داری کے بھی منافی ہے قرآن حکیم میں نٓ۔ والقلم وما یسطرون۔ یعنی قلم اور قلم سے تحریر کی ہوئی چیزوں کو گواہ بنا کر علم اور تحریر کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی گئی ہے بلکہ درپردہ لکھنے اور پڑھنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ کیا ایسے حکم کی موجودگی میں رسول اللہ اپنی اُمت کو ان پڑھ بنا سکتے تھے؟ صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) نے "تقیید العلم" میں پہلے تمام ان احادیث کا استقصا ذکر کیا ہے جن میں لکھنے کی ممانعت ہے پھر اثبات کی احادیث لا کر بعد میں جو تبصرہ کیا ہے وہ ہمارے خیال میں ارشاداتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہترین توجیہ ہو سکتی ہے خطیب کہتا ہے کہ

"ان دونوں قسم کی احادیث کو ملانے سے واضح ہو جاتا ہے کہ صدرِ اول میں جن لوگوں نے کتابت کو ناپسند کیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ کوئی اور تصنیف کتاب اللہ کے ہم پلّہ قرار نہ پا جائے اور کہ لوگ کتاب اللہ کے ماسوا کسی اور تحریر میں منہمک ہو کر کتاب اللہ سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ اسی بنا پر ہی قدیم مقدس کتابوں (تورات و صحیفہ دانیال وغیرہ) کی تلاوت سے صحابہ کو روک دیا گیا تھا کیونکہ ان میں (اس وقت) حق و باطل، صحیح اور فاسد کا امتیاز مشکل ہو چلا تھا اب صرف قرآن ہی کافی تھا اور اسے ہی ان پر مہیمن (نگران) بنایا گیا تھا۔ پھر یہ وجہ بھی تھی کہ صدرِ اول میں ایسے فقیہ (سمجھدار) کاتبوں کی قلت تھی جو وحی اور غیر وحی میں امتیاز کرنے پر قادر ہو سکتے۔ کیونکہ عربوں کی اکثریت

---

لہ یہ صرف احادیث (غیر از قرآن) کے لکھنے کے متعلق تھا مطلق کتابت کے متعلق نہیں تھا قرآن کریم کی کتابت میں خود نبی اکرمؐ نے جس قدر اہتمام فرمایا اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ (طلوعِ اسلام)

تفقہ فی الدین ہی میں جب فائق نہیں تھی اور نہ ہی انہیں دین کی نفسیات کا علم رکھنے والے صحابہ اور علماءؒ کی صحبت نصیب تھی (تفقہ فی الکتابت تو دور کی چیز رہی) تو ایسے میں اندیشہ تھا کہ یہ لوگ جو کچھ صحائف (کاپیوں) میں لکھا ہوا پاتے اسے قرآن ہی سے ملحق کر دیتے اور پھر آہستہ آہستہ یہ عقیدہ رکھنے لگ جاتے کہ جو کچھ ان صحائف میں شامل ہے وہ کلام الرحمان ہی ہے (تقیید العلم صہ ۵۷ طبع دمشق ۱۳۴۹ھ)

خطیب نے اس توجیہ میں کہا ہے کہ فقہیہ کاتبوں کی قلت تھی یہ نہیں کہا کہ عام طور پر کوئی کتابت جانتا ہی نہیں تھا امید ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کی روشنی میں امیت کا مفہوم واضح ہو چکا ہوگا۔ اب آپ عربی خط کی ابتداء کی طرف آیئے۔

## عربی خط کی ابتداء

نقطوں سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عربی خط کی ابتداء کب سے ہوئی؟ کیونکہ جب تک کسی چیز کی ابتداء معلوم نہ ہو عوارض اور لوازمات کا علم غیر ضروری ہو جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس سوال کا جواب نہ صرف مشکل ہے بلکہ محال بھی ہے کیونکہ عرب روایات اور مستشرقین کے اقوال اس قدر باہم متضاد، متعارض اور مختلف فیہ ہیں جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا نہ صرف دشوار بلکہ مایوس کن ہے تاہم عرب روایات کی رو سے جہاں تک ظن غالب کا تعلق ہے اس کی ابتداء ہجرتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دو سو سال پہلے نمی ایمپائر کے کابیٹل مرکز حیرہ (موجودہ کوفے سے ۳ میل کے فاصلے کے مقام پر) سے ہوئی۔ (در اصل شاہانِ بنو لخم یمن سے نکل کر شام اور فلسطین چلے آئے تھے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے نئی سلطنت کی داغ بیل ڈالی تھی)۔ اور انہوں نے "انبار" سے عربی خط سیکھا۔ انبار کالیڈیا میں فرات کے شمالی کنارے پر ایک قدیم اور متمدن شہر تھا جسے سنہ ۱۲ھ میں حضرت خالد بن الولیدؓ نے فتح کیا۔ اور انبار نے یمن کے حمیری خط کی نقل اتاری۔ حمیری یمن کے قدیم باشندے تھے جو سینکڑوں برس سے اپنی امتیازی خصوصیات اور علوم و فنون میں کامل دستگاہ رکھنے سے مشہور تھے انہوں نے آخری وقت میں قسطنطین دوم (رومی ایمپائر کا نمائندہ سنہ ۳۶۱ء) کے عہد میں عیسائیت قبول کی۔ بہرحال حمیری خط کی ابتداء قحطانی عرب کے بولان قبیلے کے تین افراد نے کی۔ بولان کا مورث اعلیٰ عنبین بن عمرو بن الغوث بن طی بن داد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان تھا اس قبیلہ کے جن تین افراد نے عربی خط کو سنوارا اور نقطے ڈالے ان کے نام "نقطوں" کے عنوان میں ملاحظہ فرمایئے (نیز مزید تفصیل کے لئے ذیل کی کتابیں ملاحظہ ہوں۔ فتوح البلدان صہ ۴۷۶ و ۴۷۷، کتاب المصاحف صہ ۴، العقد ابن عبد ربہ صہ ۲۴۰، الوزراء و الکتاب صہ ۱۲ و ۱۳، ادب الکاتب صولی صہ ۲۸ تا ۳۰۔ ابن خلدون صہ ۸ ۔ التنبیہ علی حدوث التصحیف قلمی تیموری کتب خانہ مصر صہ ۲ تا ۳۵۔ صبح الاعشیٰ صہ ۳ و ۱۱۔ تاریخ اللغات السامیہ ولفنسن صہ ۱۹۰ و ۱۹۱۔ مجلہ کلیۃ الآداب مئی ۱۹۳۵ء۔ ابن الندیم صہ ۸ تا ۱۰ وغیرہ)۔

ان تاریخی نصوص (و تصریحات) سے واضح ہوا کہ جس طرح ہجرت نبوی سے دو سو سال پہلے۔ اہل حیرہ سے عربی خط کا آغاز ہوا۔ اتنا ہی عرصہ پہلے انبار اور حمیری قبیلے اس کی ابتدا کر چکے تھے یعنی دوسری یا تیسری صدی میلادی کے ذریب او مصر عرب روایات کی تائید اُن حجری نقوش اور بردی کے چیتھڑوں پر لکھی ہوئی عبارتوں سے بھی ہوتی ہے جن کا زمانہ دو سو دس مسیح سے شروع ہو کر پانچ سو گیارہ مسیحی تک پہنچتا ہے چنانچہ اس وقت تیسری صدی مسیحی تک کے جو نقوش دریافت ہوئے ہیں ان کی تعداد پانچ بتائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ وہ تحریر جو سقوط سلع کے بعد سنہ ۱۰۴ھ میں لکھی گئی (یعنی سنہ ۲۱۰ء میں) اس کا طرز تحریر اسلامی خط کے ابتدائی دور سے ملتا جلتا ہے۔ حتیٰ کہ پہلی سطر کا چوتھا لفظ (بن) اور پانچویں سطر کا پہلا لفظ (یعلی) اسلامی عربی خط کے بالکل مشابہ ہے۔

۲۔ دوسری تحریر جو پہلی تحریر کی طرح وادئ سینا کے قران جزیرہ میں دریافت ہوئی اس پر سقوط سلع کے بعد سنہ ۱۶۲ھ درج ہے (یعنی سنہ ۲۶۳ء) اس کی پہلی سطر کا لفظ (مسلم) اور آخری سطر کا لفظ (بن) صاف پڑھے جاتے ہیں۔

۳ تیسری تحریر بھی وادی سینا میں دریافت ہوئی جس پر سقوط سلع کے بعد سنہ ۱۴۸ھ درج ہے (یعنی سنہ ۲۵۳ء) اس کی پہلی سطر کا دوسرا لفظ (کلب) اور اسی سطر کے دو آخری لفظ (بن عمرو) موجودہ عربی خط سے ملتے جلتے ہیں۔

۴ چوتھا نقش شمالی حجاز (مدینہ منورہ سے تقریباً ۳ سو میل) کی وادئ حجر کے "مدائن صالح" میں برآمد ہوا جس کی تاریخ سقوط سلع کے بعد سنہ ۱۶۲ھ کی طرف لوٹتی ہے (یعنی سنہ ۲۶۷ء) اس کی پہلی سطر کا آخری لفظ (بنت) اور تیسری سطر کا پہلا لفظ (عبد) اور چھٹی سطر کا آخری لفظ (لعن) اور نویں سطر کا دوسرا لفظ وہی (لعن) صاف پڑھا جاتا ہے۔

۵۔ ان سب سے جو نقش بعد میں دریافت ہوا وہ حوران منطقہ کے ام الجمال گاؤں میں بغیر تاریخ کے ملا ہے لیکن کانٹ (DEVOGUE) وغیرہ کے خیال میں یہ نقش سنہ ۲۷۰ء میلادی کا ہے۔ اس کی دوسری سطر کا دوسرا لفظ ایک نام (سلی) اور اسی سطر کا آخری لفظ (جذیمہ) اور تیسری سطر کا پہلا لفظ (ملک) ہے جو بالکل صاف لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

**چوتھی صدی مسیحی** اس صدی میں صرف ایک ہی تحریر۔ حوران منطقہ کے مرکزی شہر نمارہ میں عرب کے بادشاہ امرؤ القیس بن عمرو کی قبر سے دریافت ہوئی ہے۔ کہنے کو تو پوری صدی کی یہ ایک ہی تحریر ہے لیکن عربی رسم الخط کی تاریخ میں اس کی اہمیت اور قدر و قیمت سابقہ تمام تحریروں سے زیادہ ہے کیونکہ اس کے اکثر

بلکہ قریب قریب سب کے سب الفاظ اپنی ہیئت ترکیبی اور صورت خطی کے لحاظ سے اسلام کے ابتدائی رسم الخط کے مشابہ ہیں اس کی پہلی سطر کا دوسرا تا ساتواں کلمہ اس طرح ہے " نفس امرالقیس بن عمرو ملک العرب " اور دوسری سطر کا پہلا تا چھٹا کلمہ اس طرح ہے " وملک الاسدین ونزرو وملوکهم وهرب مذحجو " اور تیسری سطر کا پہلا اور پانچواں تا آخر کلمہ اس طرح ہے " الشعوب ..... فلم یبلغ ملک مبلغه " اور چوتھی سطر کا پہلا ، دوسرا اور تیسرا لفظ اس طرح ہے " عکدی رقوت هلک - سنة "

الغرض یہ تحریر صورت خطی کے علاوہ زبان اور ادب وصوت کے لحاظ سے بھی زیادہ تر عربی ہی ہے بلکہ یہ تاریخ کے ایسے مرحلہ میں پہنچا دیتی ہے جس کی رُو سے ہم عربی خط کے تدریجی ارتقاء اور تبدیلیوں کا صحیح اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد آخر میں سقوط سلع کے بعد سنہ ۲۲۳ھ یعنی ۳۲۸ء درج ہے ۔

## چھٹی صدی میلادی

اس صدی کے تاحال دو نقش ملے ہیں پہلا نقش قنسرین اور فرات کے مابین " زبد " کے کھنڈرات میں دریافت ہوا جس کی تاریخ ۵۱۱ء میلادی کی طرف لوٹتی ہے یہ نقش تین زبانوں یونانی ، سریانی اور عربی میں کندہ کرایا گیا تھا اس کا رسم الخط اسلامی عہد کے کوفی رسم الخط کے مشابہ ہے بلکہ چند ایک کے ماسوا اس کے تمام تر الفاظ بھی عربی ہی ہیں ۔ الّا یہ کہ اس کے بعض حروف ابھی تک صحیح طور پر نہیں پڑھے جا سکے مثلاً پہلی سطر اس طرح ہے " ...... الاله شرحو بر ..... منفو .........

برامری القیس " دوسری سطر یوں ہے " وشرحو بر سعد و ستر و وشریحو "

دوسرا نقش سقوط سلع کے بعد سنہ ۴۶۳ھ یعنی ۵۶۸ء میلادی کا ہے جو شام کے شمالی علاقے میں جبل دروز سے متصل حران (شہر) کے " لجا " گرجا گھر میں ملا ہے اس پر یونانی اور عربی میں اس طرح لکھا ہوا ہے پہلی سطر " انا شرحبیل بن ظالمو بنیت هذا المرطول " - دوسری سطر " سنه ۴۶۳ " تیسری سطر " خیبر " چوتھی سطر " بعام " - ولفنسن " تاریخ اللغات السامیہ (ص ۱۹۲) " میں لکھتا ہے کہ امراء بنی غسان میں سے حارث بن ابی شمر نے خیبر کو تاخت و تاراج کر کے لوگوں کو غلام بنایا اور غلام بنا کر پھر رہا کر کے شام کی طرف رُخ کیا اس تحریر میں اسی واقعہ کا ذکر ہے ۔

ان نقوش میں پانچویں صدی میلادی کا نقش نہیں ملا ۔ اور یہی وہ خلا ہے جسے علمائے لسانیات پُر کرنے کی ان تھک محنت کر رہے ہیں کیونکہ اس کے بغیر عربی تحریر کی تاریخ کا تسلسل غیر مربوط ہو جاتا ہے لیکن عرب کے ریتلے صحرا ، پہاڑی غار اور سینکڑوں تباہ شدہ شہر جو کھدائی کے انتظار میں ساکت و صامت کھڑے ہیں ۔ ان کی کھدائی نہ صرف اس تسلسل کو ٹوٹنے سے بچائے گی بلکہ بہت سے اسرار و غوامض سے بھی نقاب کشائی کی توقع کی جا سکتی ہے

ان تمام تحریروں اور نقوش کے عکس بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ چربے " مدکتاب " مصادر الشعر الجاہلی مصنفہ ڈاکٹر ناصر الدین

پی ایچ ڈی) قاہرہ طبع اول ۱۹۵۶ء صفحہ ۲۸ و ۳۰ پر ملاحظہ ہوں)۔ ان نقوش سے اتنا پتہ چلا کہ عربی خط اسلام سے بلاواسطہ دو سو سال اور بالواسطہ چار سو سال پہلے رائج ہو چکا تھا اور ان شخصوں کے بلند مذاق کی وجہ سے تمام عیوب و نقائص سے اسے پاک وصاف رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ پاک وصاف سے مراد۔ خط کی نوک جھوک یا تہذیب مراد نہیں ہے بلکہ وہ عیوب جو ایک کثیر الانتشار زبان میں ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد اسلامی عہد کا آغاز ہوتا ہے یہاں پہنچ کر ہمیں انتہائی مایوسی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی بے توجہی سے قرن اول کا اتنا قیمتی اثاثہ یوں لاپروائی کی نذر ہو گیا کہ آج ہم پورے وثوق سے کلام پاک کا کوئی نسخہ بھی موجود نہیں پاتے[1]۔ تاہم اتنا غنیمت ہے کہ تاریخ کے بے رحم ہاتھوں سے بچ بچا کر اس مبارک عہد کی دو تحریریں اس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہیں اور اب ہم عربی تاریخ کے ضمن میں اخذ نتائج اور استنباط میں بھٹک نہیں سکتے۔ پہلی تحریر حضرت عثمان بن عفانؓ (شہید ۳۵ھ) کے زمانے کی ہے جس پر اکتیس ۳۱ ہجری کی تاریخ درج ہے۔ یعنی ۶۴۳ء میلادی۔ یہ تحریر "عربک میوزیم" قاہرہ میں نمبر ۹ محفوظ ہے۔

دوسری تحریر بحمداللہ اس سے بھی قبل کی ہے یعنی غزوۂ خندق ۵ھ ہجری (مطابق ۶۲۶ء) کی جو کہ مدینہ منورہ کی سلع پہاڑی کی جنوبی چوٹی سے برآمد ہوئی (تفصیل ملاحظہ ہو مصادر الشعر الجاہلی صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۳۲)

اس تفصیل سے آپ نے اتنا تو معلوم کر لیا کہ عربی خط کی ابتدا اسلام سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ ان کتبات و نقوش میں سے اکثر ایسے ہیں جو نقطوں سے عاری ہیں۔ تو اس کے متعلق ذیل کی معروضات حاضر ہیں یہی وہ معروضات ہیں جن کے لئے آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی۔

## نقطوں کی ابتداء

سابقہ سطور میں دس کتابوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ عربی خط کی ابتداء اسلام سے محتاط اندازے کے مطابق چار سو سال پہلے ہو چکی تھی اور اسے مہذب بنانے، درجۂ کمال تک پہنچانے اور لفظی تشابہ دور کرنے والے بولان قبیلہ کے تین افراد تھے۔ ان تین افراد میں سے ایک کا نام عامر بن جدرہ تھا جس نے عربی خط میں نقطوں کا اضافہ کیا۔ یہ روایت فنی لحاظ سے اگرچہ اتنا فائدہ نہیں دے سکتی جتنا کہ مطلوب ہے۔ تاہم تاریخی طور پر ہم آسانی سے اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ الاعجام (نقطوں) کے موجودہ مفہوم سے آشنا ضرور تھے اور کہ یہ لفظ (الاعجام) اپنے اسی مفہوم میں حضرت ابن عباسؓ سے پہلے بھی ملک گیر مشہور اور معروف تھا۔ یا کم از کم حضرت ابن عباسؓ سے نچلا راوی اس کے مفہوم سے پوری طرح واقف تھا اور اسی طرح لوگوں کے لئے بھی یہ لفظ اسی مفہوم میں اجنبی نہیں تھا جب ہی تو انہوں نے راوی کی سنی اور سن کر اسے تسلیم کر لیا۔

بہرحال یہ بات کہ نقطوں کے موجد حجاج بن یوسف (متوفی ۹۵ھ) ہیں یا یہ شہرت کہ ابوالاسود دؤلی (متوفی ۶۹ھ)

---

[1] غالباً یہ کہنا مقصود ہے کہ نبی اکرمؐ کے عہد مبارک کا لکھا ہوا قرآن کریم کا کوئی نسخہ اس وقت تک دریافت نہیں ہوا۔ — طلوع اسلام

تھے قطعاً غلط اور ثبوت کے لحاظ سے تاریخ پر افترا ہے کیونکہ نقطوں اور عربی خط کی ابتدا ان کے پیدا ہونے سے پانچسو سال پہلے ہو چکی تھی۔ مشہور مؤرخ و نساب اور نحوی امام احمد بن علی بن احمد المعروف القلقشندی (متوفی ۸۲۱ھ) - اپنی شہرہ آفاق کتاب "صبح الاعشیٰ" جلد سوم صفحہ ۱۵۱ پر لکھتا ہے کہ

"والظاهر ما تقدم يعني ان الاعجام موضوع مع وضع الحروف اذ يبعد ان الحروف قبل ذالك مع تشابه صورها كانت عرية عن النقط الى حين نقط المصاحف" یعنی اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ جوں ہی عربی کے حروف وضع کیے گئے تھے نقطے بھی ساتھ ہی وضع کیے گئے کیونکہ یہ بعید از عقل ہے کہ صوری مشابہت کے باوجود عربی حروف کو اس وقت تک نقطوں سے خالی رکھا گیا جب تک کہ مصحف پر نقطے نہیں ڈالے گئے۔ (نیز ملاحظہ ہو مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ لاحمد بن مصطفےٰ عرف طاش کبری زادہ متوفی ۹۶۸ھ - جلد اول ۹۰ طبع مصر)

## مصحف نبوی پر بھی نقطے تھے

سلف صالحین کا یہی عقیدہ تھا اور ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ قرآن مجید پر زبر، زیر، پیش (اور نقطوں) جیسا بنیادی اور عظیم کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی سرانجام دے گئے تھے (اتقان صفحہ ۱۴۴ تا صفحہ ۱۴۷) بلکہ آپ نے اپنی امت کو حکم دے دیا تھا کہ اعربوا القرآن یعنی قرآن پر اعراب لگاؤ، (بیہقی، ابویعلی بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۱۸۶، جامع صغیر جلد اول صفحہ ۴، منتخب کنز العمال جلد اول صفحہ ۳۴۳، تاریخ خطیب جلد ۴ صفحہ ۷۷، بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۵۴ فضائل ابن کثیر ملحق بتفسیر ابن کثیر صفحہ ۲۰ وغیرہ) یہاں اعراب سے مراد تحریر کے تمام وہ قواعد و ضوابط ہیں جو عہد نبوی میں رائج تھے تنہا زبر، زیر، و پیش نہیں کیونکہ حقیقی تشابہ نقطوں ہی سے دور ہو سکتا تھا۔

بہرحال اس امر نبوی کے مطابق مصحف نبوی پر نقطے لگائے گئے لیکن اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ اس کی تفصیل طویل ہے۔ امام شمس الدین محمد بن جزری (متوفی ۸۳۳ھ) لکھتے ہیں کہ "ثم ان الصحابة رضی الله عنهم لما كتبوا تلك المصاحف جردوها من النقط والشكل ليحتمله ما لم يكن في العرضة الاخيرة مما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم" یعنی بعد میں جب صحابہ کرام نے نبوی مصاحف کو لکھنا شروع کیا تو انہوں نے نقطے اور دیگر علامات کو اڑا دیا کیونکہ جو الفاظ مختلف قراتوں سے پڑھنا ثابت تھے (کہاں ثابت تھے؟ ثبوت ندارد ..... طارق) — اب دیکھنا یہ تھا کہ ان الفاظ کو آخری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح تلاوت فرمایا، تاکہ جمیع صحابہ فیصلہ کے بعد ہی آخری قرأت کو ضبط تحریر میں لایا جائے (اور نقطوں سے اس چیز کا پہلے ہی تعین ہو جاتا تھا جو کہ ناقلین کو منظور نہیں تھا ۔ط) - (النشر فی القراءات العشر طبع دمشق جلد اول صفحہ ۳۲ تا صفحہ ۳۳ طبع قاہرہ صفحہ ۳۳) -

امام جزری نے مذکورہ کتاب اختلاف قرأت کو ثابت کرنے کے لئے لکھی ہے مگر نقاط کے ضمن میں انہیں یہ اعتراف کرنا ہی پڑا کہ صحابہ کرامؓ نے حذف کر دیئے تھے (رسول اللہؐ نے لگوا دیئے تھے) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (متوفی ۶۵۲ء) فرماتے ہیں کہ جردوا القرآن لیربو فیہ صغیرکم ولا ینأی عنہ کبیرکم۔ یعنی قرآن کو نقطوں سے صاف کر دو تاکہ چھوٹے بھی اسی طرح پڑھتے رہیں اور بڑے بھی دور نہ جائیں۔ مقصد یہ کہ انہیں ذہن پر زور دے کر الفاظ حل کرنے پڑیں گے اور اس طرح وہ قرآنی ماحول ہی کے رہ جائیں گے یعنی کسی بہانے قرآن ہی ان کی دلچسپی کا مرکز ہوگا۔ بہرحال حضرت ابن مسعودؓ کے اسی جردوا کی تفسیر میں امام زمخشری (متوفی ۱۱۴۳ء) لکھتے ہیں کہ اراد تجریدہ عن "النقط" والفواتح والعشور لئلا ینشأ نشء فیری انھا من القرآن۔ یعنی جردوا سے ان کی مراد یہ ہے کہ قرآن کو نقطوں اور سورتوں کے تعارفی فقروں مثلاً "سورۃ الفاتحہ مکیہ وہی سبع آیات" اور ہر دس آیات کے بعد (اس زمانے میں) ایک آیت لگانے کا جو رواج تھا انہیں حذف کرنا چاہئے کیونکہ آگے چل کر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ بھی عین قرآن ہی ہیں (الفائق زمخشری جلد اول صفحہ ۱۹۰ طبع مصر) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (احفظوا) اور (من ذلک المصاحف) کے برعکس ان علامات و رموز کو اڑا دیا گیا۔ خیر اس سے بحث نہیں۔ تاہم ان دو حوالوں سے اتنا تو واضح ہو ہی گیا کہ حجاج اور دولی سے پہلے ہی صحابہ کرامؓ "نقطوں" کے موجودہ مفہوم سے بخوبی آشنا تھے اور یہ کہ یہ نقطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصحف پر باقاعدہ لگائے گئے تھے لیکن نقل ثانی کے وقت یا بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نقطوں کو جان کر حذف کر دیا گیا۔ (روایات کی روشنی میں۔ طارق)

یہاں یہ وضاحت کر دی جائے کہ بعض لوگوں نے "تجریدا" سے مراد تفسیر، تشریح، حدیث یا قصہ وغیرہ لی ہے یعنی ان چیزوں کو قرآن سے الگ کر دیا جائے لیکن امام جزری اور امام زمخشری کی طرح قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی (متوفی ۱۱۴۸ء) نے بھی تجرید سے نقطے ہی مراد لئے ہیں اور اس پر اس نے تفصیل سے لکھا ہے کہ اس طرح صحابہ کرامؓ اختلاف قرأت کا حق محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ کیونکہ نقطے ڈالنے سے قرأت کا خود بخود تعین ہو جاتا تھا تفصیل ملاحظہ ہو۔ العواصم من القواصم لابن العربی طبع الجزائر جلد دوم صفحہ ۱۹۶ - ۱۹۷۔

## صحابہ کرامؓ نقطے لگاتے تھے

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد عرف فرا نحوی (متوفی ۸۲۲ء) روایت کرتے ہیں کہ سفیان بن عیینہ (متوفی ۸۱۰ء) نے اپنی سند سے ہمیں حدیث بیان کی کہ کتب فی حجر لم یتسن ولم یتسنہ (الحدیث) یعنی ایک پتھر پہ یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے۔ اب جو میں دیکھتا ہوں تو زید بن ثابتؓ (متوفی ۶۶۵ء) نے پہلے لفظ پہ چار نقطے ڈال دیئے یعنی سین پہ تین نقطے ڈال کر شین بنا دیا اور "ر" پہ ایک نقطہ ڈال کر "ز" میں تبدیل کر دیا۔ اسی طرح دوسرے

لفظ میں نقطوں کے علاوہ سین کے بعد حاء کا اضافہ کر کے لم یتسنہ بنا دیا (معانی القرآن فراء جلد اول صہ ۱۶۲ صہ ۱۶۳ - طبع مصر) - کیا حضرت زید بن ثابتؓ نقطوں کا علم نہ رکھتے تھے یوں ہی قرآن میں سین کو شین اور راء کو زا بنا لیتے تھے؟ کیا یہ کام بغیر واقفیت کے ممکن ہو سکتا تھا؟ ہمارے خیال میں حضرت زیدؓ چونکہ کاتب الوحی تھے جس طرح مصاحف نبویؐ میں نقطے ڈالنے سے مشق ہو گئی تھی بعد میں بھی جب کہیں کوئی لفظ بے نقط لکھا پاتے تو سنت نبویؐ کے مطابق فوراً با نقط بنا دیتے تھے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ - اور صحابہؓ سے بڑھ کر اسوۂ رسولؐ کا زیادہ پابند کون ہو سکتا تھا؟

## تابعین کی اطلاع

عبداللہ بن سلیمان بن اشعث ابن داؤد سجستانی (متوفی ۳۱۶ھ) اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ الحجاج بن یوسف غیّر فی مصحف عثمان احد عشر حرفا ..... وکانت فی یونس (۲۲) ھو الذی ینشرکم فغیّرہ یسیرکم۔ یعنی حجاج بن یوسف نے عثمانی مصحف کے گیارہ حروف بدل دیئے مثلاً سورہ یونس کی بائیسویں آیت میں ہے کہ ینشرکم (یعنی - یا - نون اور شین) تو حجاج نے بدل کر یسیرکم (یعنی یا سین پھر یا ر) بنا دیا (کتاب المصاحف طبع مصر ۱۹۳۶ء صہ ۴۹ و صہ ۱۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حجاج سے پہلے ہی نقطے ڈالنے کا رواج تھا اور حجاج اسے بخوبی سمجھتا تھا کیونکہ اگر سابقہ عثمانی مصحف میں نقطے نہ ہوتے تو اسے کس طرح پتہ چلتا کہ یہاں ینشرکم ہے اسے یسیرکم بنا دینا چاہیے۔ بالآخر اس تشابہ کو دور کرنے کی حضرت عثمانؓ نے نقاط کے بغیر تو کوئی صورت تجویز نہیں کی ہو گی اور جب نقاط ڈالے تب ہی حجاج کا تغیر و تبدل سمجھ میں آ سکتا ہے۔ بہر حال یہ روایت بھی اس نظریہ کی تکذیب کرتی ہے کہ حجاج ہی کے حکم سے نقطے ایجاد ہوئے۔ وغیرہ

## تاریخی شہادت

ثبوت کے لحاظ سے وہی بات پختہ اور مدلل کہی جا سکتی ہے جو دعوے کے ساتھ اپنے اندر دلیل بھی رکھتی ہو۔ یہ بات کہ صحابہ کرامؓ نقطوں سے اچھی طرح واقف تھے اس کی تصدیق اس وثیقہ سے ہو سکتی ہے جو ۲۲ھ ہجری میں (عمر بن الخطاب (شہید ۲۳ھ) کے زمانے) ورق بردی پر یونانی اور عربی زبان میں لکھا گیا۔ یہ وثیقہ متلاشیان حق و صداقت اور شیدایان تاریخ کے لئے اطمینان اور تسکین کا موجب ہے کہ اس کے بعض حروف معجم و با نقط ہیں مثلاً - خاء - ذال - زاء - شین اور نون - اس وثیقہ کے عکس بمع تعارفی نوٹ و ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر گراہمن کی کتاب (FROM THE WORLD OF ISLAMIC PAPYRI, PT. II (a) P. 82, 113, 114).

اس ضمن میں قرن اول کا ایک اور نقش جو حضرت امیر معاویہؓ (متوفی ۶۰ھ) کے عہد میں ۵۸ھ ہجری میں لکھا

گیا تھا یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ اس وقت نقطے ڈالنے کا عام رواج تھا کیونکہ حضرت معاویہؓ کی اس تحریر پر جو کہ طائف سے برآمد ہوئی ہے واضح طور پر نقطے لگے ہوئے ہیں۔ اس کا عکس زیر ۱۸ ڈاکٹر جے ریو ہاکا سمیر مقالہ بعنوان EARLY ISLAMIC INSCRIPTIONS NEAR TAIF IN THE HIJAZ JEN S T (1948) پر ملاحظہ ہو۔ (بحوالہ مصادر الشعر الجاہلی صہ ۴۲)

## لغت اور اشعار جاہلیت سے استدلال

ابن السید بطلیوسی (متوفی ۵۲۱ھ) لکھتے ہیں کہ فاذا نقطتہ قلت وشمتہ وشما ونقطتہ نقطا واعجمتہ اعجاما ورقمتہ ترقیما یعنی عرب نقطہ کے لئے وشم اعجم۔ نقطہ اور ترقیم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ مثلاً جب کہنا ہوتا کہ وشمتہ، اعجمتہ اور رقمتہ تو اس سے مراد لیتے تھے نقطتہ یعنی یہ تینوں لفظ نقطے کے مترادف استعمال کئے جاتے تھے۔ ہو سکتا تھا کہ ابن السید بطلیوسی کی اس شہادت کو درخور اعتنا نہ سمجھا جاتا لیکن وہ اپنی تائید میں جاہلیت کے تین بڑے شاعروں ابی ذویب (متوفی ۲۶ھ) مرقش بن سعد بن مالک حمیری اور طرفہ بن العبد (مولود ۵۴۳ء مقتول ۵۶۹ء) کے ابیات کو بھی پیش کرتا ہے۔ ابو ذویب جو جاہلیت اور اسلام کا شاعر تھا کہتا ہے کہ

برقم ووشم کما نمنمت　　بمشیمھا المزدھاۃ الھدی

یعنی حمیری کاتب نے قرضے کی میعاد والے کاغذ کی تحریر پر نقطے ڈال کر ایسا مزین بنا دیا جیسے عورت کسی قیمتی ہدیہ کو سوزن کاری سے منقش بنا کر پیش کرتی ہے۔ مرقش کا بیت ہے

الدار قفر والرسوم کما　　رقش فی ظھر الادیم قلم

یعنی خالی مکان کے نقوش و آثار ایسے نظر آ رہے ہیں جیسے کسی نے ادیم (جاہلیت کا کاغذ) پر قلم سے نقطے ڈال دیئے ہوں۔ اور طرفہ کہتا ہے کہ

کسطور الرق رقشہ　　بالضحی مرقش یشمہ

یعنی دوپہر کے وقت کاغذ پر کسی لکھنے والے نے نقطے ڈال دیئے ہوں۔ (الاقتضاب بطلیوسی صہ ۹۳)

ہو سکتا تھا کہ ہم ابن السید بطلیوسی کی رائے کو عجلت اور جلد بازی پر محمول کرتے اور وشم، ترقیم اور ترقیش کو صرف حسن خط سے تعبیر کرتے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ یوسف بن سلیمان ابو الحجاج عرف الاعلم الشنتمری (متوفی ۴۷۶ھ) بھی طرفہ مذکور کے بیت کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ وقولہ کسطور رق شبہ رسوم الدار بسطور الکتاب ومعنی رقشہ زینہ وحسنہ بالنقط۔ (دیوان طرفہ طبع یورپ ۱۹۰۰ء مع شرح شنتمری صہ ۴۵) یعنی رقش کے معنے ہیں نقطوں سے خط کو مزین و خوبصورت بنانا۔

اس کے بعد آگے چلیے تو علامہ ابو علی اسماعیل بن القاسم بن عیذون عرف القالی بغدادی (متوفی ۳۵۶ھ/۹۶۷ء) کی تحقیق سے بھی یہی کچھ مستفاد ہوتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ رقشت الکتاب رقشا ورقشته نقطته ونقطته۔ میں نے کتاب کو مرقش کیا یعنی لکھا اور نقطے ڈالے (الامالی للقالی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ طبع مصر) اس کے بعد علامہ قالی نے بھی طرفہ کا وہی بیت پیش کیا جو اپنی تائید میں دیگر ائمہ اور اہل لسان پیش کرتے آئے۔

## بانقط اور بے نقط خط کے نام

عرب جاہلیت والے خوبصورت و بانقط خط کو کئی ناموں سے یاد کرتے تھے مثلاً ترقیش، ترقیم، تنمنہ، وشم، اور تنمیق (ملاحظہ ہو دیوان الہذلیین جلد اول صفحہ ۶۴ و صفحہ ۶۵، المؤتلف والمختلف صفحہ ۲۷، دیوان حاتم الطائی صفحہ ۲۳، دیوان سلامہ بن جندل ص ۱۵) یعنی خوبصورت خط کی علامت یہ ہوتی تھی کہ وہ بانقط ہوتا تھا۔ اور بدصورت خط کی علامت یہ ہوتی تھی کہ وہ بے نقط ہوتا تھا چنانچہ ایسے خط کو "مشق" کہتے تھے مشق کے معنے ہیں اتنی جلدی میں لکھا ہوا جس میں نقطوں کی پرواہ نہ کی گئی ہو۔ حضرت عمر بن الخطاب کا ارشاد ہے کہ بدترین خط "مشق" ہے (الصولی ادب الکاتب صفحہ ۵۶)۔ ابن سیرین (متوفی ۷۲۸ء) کہتے تھے کہ قرآن مجید خط مشق میں لکھنا مکروہ ہے جب کہا گیا کہ کراہت کی وجہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ خط نقائص کا مجموعہ ہے تم دیکھتے نہیں کہ اور تو اور الف، جو کہ اپنی ہیئت کے لحاظ سے نمایاں ہوتا ہے اس کا بیڑہ بھی غرق ہو جاتا ہے (المصاحف ص ۱۳۳ طبع مصر)۔ ابن السید بطلیوسی الاقتضاب (طبع ۱۹۰۱ء بیروت) میں لکھتے ہیں کہ انبار کے لوگ نہین اور بے نقط خط کے عادی تھے (یعنی کچہری خط لکھتے تھے) اور حیرہ والے پختہ خط (یعنی بانقط) کو پسند کرتے تھے اور بعد میں وہی خط مصاحف کے لئے منتخب ہوا اور اہل شام جلی لکھتے تھے (ص ۹۰) نیز لکھتے ہیں کہ جلدی اور کھینچ کر لکھنے میں خط کے کسی قاعدے اور قانون کا پاس نہیں رہتا جیسے خط مشق (کچہری) میں دیکھا گیا ہے۔

## نقطے نہیں بھی لگائے جاتے تھے

مضمون کی ابتدا میں جن دریافت شدہ نقوش و تحریرات کی نشاندہی کی گئی ہے ان کی تصویروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ نقطے نہیں بھی ڈالتے تھے اب ذیل میں اس کی وجوہات ملاحظہ ہوں۔

(الف) یہ تحریریں اس وقت کی ہیں جب عربی زبان کو ابھی "مبین" کے امتیازی وصف سے نہیں نوازا گیا تھا اس وقت کی عربی نہ تو اتنی وسیع زبان تھی جس میں ہر موضوع پر اظہار خیال اور پھر بذریعہ تحریر اظہار مافی الضمیر کی گنجائش نکل آتی۔ اور جب تک کوئی زبان وسعت اختیار نہیں کرتی اس کے الفاظ نہایت تھوڑے، جانے پہچانے اور محدود ہوتے ہیں۔ ایسے میں تشابہ کا اندیشہ کم رہتا تھا اور اگر رہتا بھی تھا تو اہل زبان سیاق و سباق سے لفظ کی صحیح پوزیشن اور مراد معلوم کر سکتے تھے۔

(ب) نقش نمارہ (۳۲۸ھ) کے عکس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ نہایت تنگ اور گھنی سطور میں لکھنے کے عادی تھے اور ایسے الفاظ کا انتخاب کرتے تھے جو اسماء، اعلام یا غیر متشابہ قسم کے ہوتے۔ ایسے میں اگر وہ نقطے ڈال دیتے تو قاری کے لئے ایک نئی الجھن یہ پیدا ہو جاتی کہ یہ نقطے کسی اوپر کے لفظ کے ہیں یا نچلی سطر کے کسی لفظ کے۔ اس نئی صعوبت سے بچنے کے لئے وہ یا تو بانقط الفاظ کا انتخاب ہی نہیں کرتے تھے اور اگر کرتے بھی تھے تو آسان قسم کا تشابہ ہوتا تھا۔ (مصادر الشعر الجاہلی ص ۴۳) دراصل۔ اہل زبان کے لئے بے نقاط الفاظ کا انتخاب کرنا اتنا دشوار نہیں جتنا ہم خیال کر رہے ہیں۔ فیضی نے غیر اہل زبان ہو کر بے نقاط تفسیر لکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور وہ اس حد تک کامیاب رہا کہ خود اہل زبان بھی حیران رہ گئے۔ اب دیکھئے کہ ایک مقام پر اسے بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ یوسف علیہ السلام کے تعارف میں ابن یعقوب لکھنا تھا مگر ابن یعقوب کے تمام تر معجم و بانقط حروف تھے لہذا اس سے بچنے کے لئے قطع نظر بے ادبی کے اس نے "مودود الدعمی" لکھ دیا۔ پس جب ایک اجنبی زبان کا اہل علم کوشش کر کے بے نقاط الفاظ تلاش کر سکتا ہے تو کیا اہل زبان اس پر قادر نہیں تھے؟

(ج) ایک زمانے میں یہ رواج پڑ گیا تھا کہ بانقاط و بے نقاط تمام کلمات کو بے نقاط ہی لکھا جائے تاکہ قاری کی عقل کا امتحان ہو اور وہ اس معمہ کو خود ہی حل کرے چنانچہ یہ رواج اس قدر زور پکڑ گیا کہ عقلاء، امراء اور علماء کے باہمی مکاتبات میں اگر نقطے ڈال دیئے جاتے تو اسے صریح توہین اور دوسرے کی بے عزتی تصور کیا جاتا یعنی مرسل الیہ یہ سمجھتا کہ مرسل نے اسے غبی یا جاہل تصور کر لیا ہے۔ تاہم اس دور میں بھی عوام کے لئے بانقط تحریر کا مخصوص بہت رواج تھا۔ اس کی پوری تفصیل امام ابوبکر صولی لغوی (متوفی ۹۳۶ھ) کی ادب الکاتب طبع سلفیہ ۱۳۴۱ھ مصر ص ۵۵ و ۵۸ پر ملاحظہ ہو ——— مضمون کی طوالت کے ڈر سے دو ذیلی عنوان (جاہلیت میں قلم و دوات، چاک اور کاغذوں کے نام) اور "جاہلیت والے کس کس موضوع پر لکھتے تھے"۔ ہم نے حذف کر دیئے ہیں اور قارئین کو معلوم ہو کہ اس مضمون کی انتہا بھی یہی ہے۔ والسلام

(٥)


رسول اللہ کی وفات کے صرف ۲۵ سال بعد مسلمانوں کی عظیم سلطنت کے دارالخلافہ مدینہ منورہ میں خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان دن دھاڑے شہید کر دیئے گئے۔　مصر کے نابینا جید عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تحقیق

الفتنۃ الکبریٰ

قیمت چھ روپے

ملنے کا پتہ:- میزان پبلیکیشنز لمیٹڈ ۲۷- بی شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور